پاکستان گورنمنٹ کی اسلامی حیثیت

اور

اس میں غیر مسلموں کا درجہ و مقام

(سعید احمد اکبر آبادی)

پچھلے دنوں نہرو لیاقت معاہدہ کے موقع پر وزیر اعظم پاکستان نے پنڈت نہرو سے کہا اور پھر پریس کانفرنس میں بیان دیتے ہوئے بھی انھوں نے اس کی تصریح کی کہ پاکستان ایک عہد حاضر کی قسم کی جمہوریت (Modern Democratic State) ہے اور اس بنا پر اس میں غیر مسلموں کو وہی شہری حقوق حاصل ہیں جو وہاں کے مسلمانوں کو ہیں۔ سول اور ملٹری کے تمام محکمے اسمبلی کی ممبری۔ ووٹ دینے کا حق عقیدہ و عمل کی آزادی۔ ان سب چیزوں کے دروازے ان کے لئے اسی طرح کھلے ہوئے ہیں جس طرح وہ مسلمانوں کے لئے کھلے ہوئے ہیں۔ یاد ہوگا کہ بعینہ یہی بات پاکستان کے مرحوم مؤسس اول نے اس وقت کہی تھی جبکہ پاکستان بننے کے بعد انھوں نے پہلی تقریر دہلی کے ریڈیو اسٹیشن سے نشر کی تھی بلکہ اپنے مقصد کو زیادہ مؤکد کرنے کے لئے انھوں نے یہاں تک فرما دیا تھا کہ "اب پاکستان میں نہ کوئی ہندو ہوگا اور نہ کوئی مسلمان بلکہ پاکستان کا ہر باشندہ بلا تفریق مذہب و ملت صرف پاکستانی ہوگا اور اس کے ساتھ اسی حیثیت سے معاملہ کیا جائیگا"

لیکن پاکستان کی دستور ساز اسمبلی اپنے بنیادی مقصد کے رزولیوشن میں پاکستان کو اسلامی حکومت قرار دے چکی ہے۔ تو اب غور اس پر کرنا چاہئے کہ بانیٔ پاکستان اور

وزیر اعظم پاکستان کے یہ اعلانات "اسلامی حکومت" کے اعلان کے ساتھ مطابقت اور ہم آہنگی رکھتے ہیں یا نہیں؟ اگر رکھتے ہیں تو اس چیز کو اسلامی تعلیمات کی روشنی میں صاف اور واضح ہونا چاہیے۔ ورنہ جس طرح بھارت میں ہندو مہاسبھا وغیرہ قسم کی چند پارٹیاں ہیں جن کے نزدیک یہاں ہندو راج یا رام راج قایم ہونا چاہیے اور اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ ملک صرف ہندوؤں کا ہے۔ باقی ان کے علاوہ دوسری قومیں یہاں کی شہری نہیں ہوسکتیں، اسی طرح پاکستان میں کچھ جماعتیں ہیں جن کے خیال میں اسلامی حکومت کا مفہوم یہ ہے کہ جو غیر مسلم وہاں رہیں گے تو اگرچہ ان کی جان ومال کی حفاظت کرنا اسلامی حکومت کا فرض ہوگا لیکن ان کو وہ تمام شہری حقوق حاصل نہیں ہوسکتے جو مسلمانوں کو ہوں گے اس بنا پر اس بات کا اندیشہ ہے کہ جس طرح بھارت میں ہندو مہاسبھا وغیرہ نے اپنے سیاسی مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے یہاں کی اکثریت کے غلط مذہبی تصورات کو آلۂ کار بنا کر ایک ہنگامہ برپا کر رکھا ہے اسی طرح ممکن ہے کہ اب یا الکشن کے موقع پر اپنا سیاسی مقصد حاصل کرنے کی غرض سے پاکستان کی یہ جماعتیں گورنمنٹ پاکستان کے خلاف پروپیگنڈہ کریں اور وہ اسلامی حکومت کے غلط تصور کو پیش کر کے عوام کی ہمدردی حاصل کرنے کی کوشش کریں۔

علاوہ بریں اس مقالہ کا ایک بڑا محرک یہ بھی ہے کہ حالیہ فسادات کے باعث اشتعال پذیری کے عالم میں چند گستاخ و بدزبان اخبارات ورسائل نے پاکستان کو برا کہتے کہتے اسلام اور پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شان میں بھی حد درجہ مکروہ وناشایستہ الفاظ استعمال کئے ہیں جہاں تک ان کی بدزبانی اور دریدہ دہنی کا تعلق ہے تو ہم اس کے جواب میں اس سے زیادہ نہیں کہنا چاہتے کہ ایک بھاری اور مقتدرہ اکثریت کے فرقہ سے تعلق رکھتے ہوئے کسی زیردست و پاشکستہ اقلیت کے مذہب اور اس کے پیغمبر کی شان میں اس طرح گستاخ زبانی کرنا کمینہ پن کی وہ آخری منزل

ہے جہاں انسانیت لڑکھڑا کر گر پڑتی ہے اور اگر ہم چاہیں تو جواب ترکی بہ ترکی دے کر اپنے ان حریفوں کو برسوں انگاروں پر لٹا بھی سکتے ہیں

تم کو بھی ہم بتائیں کہ مجنوں نے کیا کیا فرصت کشاکشِ غمِ پنہاں سے گر ملے

بہر حال جہاں تک اصل مسئلہ کی وضاحت کا تعلق ہے۔ ہم اسے بیان کرتے ہیں تاکہ ہندو اور مسلمان دونوں سمجھ سکیں کہ اگر پاکستان واقعی اسلامی حکومت ہے بھی تو اس کے غیر مسلموں کا وہاں کی حکومت میں درجہ و مقام کیا ہے؟ اور وزیر اعظم پاکستان نے اس سلسلہ میں جو کچھ کہا ہے اس میں اسلامی حکومت کے تصور کے لحاظ سے کس درجہ واقعیت اور سچائی ہے؟

دینی حکومت اور اسلامی حکومت میں فرق

شروع میں اس غلط فہمی کا دور کر دینا ضروری ہے کہ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ دینی حکومت اور اسلامی حکومت دونوں ایک ہی چیز ہیں۔ عنوان مختلف ہے مگر معنون ایک ہے۔ حالانکہ واقعہ یہ نہیں ہے ان دونوں میں عام خاص مطلق کی نسبت ہے جو حکومت اسلامی آئیڈیالوجی کے مطابق دینی ہو گی وہ اسلامی ضرور ہو گی لیکن جو حکومت کسی خاص اعتبار سے اسلامی ہو اس کا دینی ہونا ضروری نہیں ہے۔ وجہ یہ ہے کہ دینی حکومت کا ہر عمل دینی ہو یا دنیوی بہر حال اس میں تعبد اور تقرب الی اللہ کا پہلو غالب رہتا ہے پھر یہ حکومت کسی انسان کی۔ فرد ہو یا جماعت نہیں ہوتی بلکہ اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ کے مطابق صرف خدا کی ہوتی ہے اور اسی وجہ سے اس کو حکومتِ الٰہیہ کہا جاتا ہے۔ اس حکومت کا صدر جو امام کہلاتا ہے اسے لوگوں پر مذہبی سیادت بھی حاصل ہوتی ہے اور سیاسی بھی اسی لئے اس کا متقی اور پرہیزگار ہونا ضروری ہے۔ وہ گویا خدا کی طرف سے اس کے احکام کے اجرا و تنفیذ کا ذمہ دار ہوتا ہے اس حکومت میں آج کل کی جمہوریتوں کی طرح کی نہ دستور ساز اسمبلی ہو سکتی ہے اور نہ کونسلیں اور نہ پارلیمنٹ۔ قانون سازی کا حق سوائے علمائے ربانیین کے کسی اور

وہ نہیں ہوسکتا۔ پھر اس میں نہ حلقہ وار انتخاب ہے اور نہ آبادی کے تناسب سے نمائندگی اس بنا پر یہ بالکل صاف ظاہر ہے کہ پاکستان گورنمنٹ کسی طرح بھی دینی حکومت نہیں کہلائی جاسکتی اور ایک یہ ہی کیا۔ خلافت راشدہ کے بعد یہ دینی حکومت رہی ہی کہاں ہے؟ خود غرض بادشاہوں نے اپنے لئے "ظل اللہ علی الارض" اور "خلیفۃ اللہ علی الناس" ایسے کیا کچھ القاب اختیار نہیں کئے۔ لیکن تاریخ کا طالب علم جانتا ہے کہ خود ان کی اور ان کی مزعومہ خلافت کی حقیقت کیا تھی؟ جن لوگوں نے بنوامیہ کی نعشوں پر بیٹھ کر جشن دعوت منایا تھا خطبوں میں منبر پر بیٹھ کر وہی اپنے آپ کو اللہ کے دین کے سب سے بڑے محافظ کہتے تھے تیمور لنگ جو سفاکی و بے رحمی کے میدان کا تامور ہیرو تھا وہ بھی اپنی تزک میں لکھتا ہے کہ میں ہندوستان اسلام کے سرنگوں علم کو اونچا کرنے گیا تھا۔ بہرحال دعاوی خواہ کچھ رہے ہوں لیکن یہ حقیقت ہے کہ حضرت عثمانؓ کے ابتدائی دور کے بعد امامت۔ خلافت یا دینی حکومت صحیح معنیٰ میں کبھی قائم نہیں ہوئی۔ عبدالملک بن مروان جو خلیفہ ہونے کے ساتھ بڑا عالم اور فقیہ بھی تھا کسی نے اس سے پوچھا کہ تم حضرت ابوبکر و عمر کے نقش قدم پر کیوں نہیں چلتے تو اس نے کہا کہ ان کے زمانہ میں لوگ بھی تو تم جیسے نہیں تھے واقعہ یہ ہی ہے کہ کسی حکومت کی نوعیت کا دارومدار اس بات پر ہوتا ہے کہ لوگ کیسے ہیں؟ اس بنا پر خلافت راشدہ بھی اگر خیر القرون سے آگے نہیں بڑھ سکی تو اچنبھے کی کیا بات ہے؟ اسی بنا پر ہم کو خوشی ہے کہ پاکستان کے وزیر اعظم نے بڑی جرات سے اپنے بیان میں صاف صاف کہہ دیا کہ ان کی حکومت دینی (Theocratic) نہیں ہے۔

اسلامی حکومت اب رہی اسلامی حکومت! تو اگر ہم اسلام سے مراد ایک مخصوص قسم کا نظام زندگی لیں ــــ ٹھیک اسی طرح جس طرح کہ کمونزم وغیرہ دوسرے قسم کے نظام ہائے زندگی رائج ہیں ــــ تو اس نظام کو جس حد تک کوئی حکومت اختیار کریگی

وہ اسی درجہ تک اسلامی کہلائے گی۔ جہاں تک اس نظام کے معاشی۔ معاشرتی او
مادی مسائل کا تعلق ہے اس نظام کو مسلمانوں کی طرح غیر مسلم بھی اختیار کر سکتے ہیں
اور پھر بھی وہ نظام اسلامی نظام ہی کہلائے گا۔ کسی غیر مسلم کے اپنانے سے وہ غیر اسلا
نہیں ہو جائیگا۔ مثلاً اقوام متحدہ کی کونسل نے آج انسانی حقوق کا جو چارٹر بنایا ہے
ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ اسلامی چارٹر ہے۔ اسی طرح ہماری پارلیمنٹ میں آج جو ہندو
کوڈ بل پیش ہے کہا جا سکتا ہے کہ یہ بل اپنی متعدد دفعات کے اعتبار سے اسلامی
قانون ہے، دوسرے لفظوں میں اسے اس طرح سمجھئے کہ مثلاً اگر ایک غیر مسلم کسی
کی مدد کر رہا ہے یا اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر کسی کی جان بچا رہا ہے تو ہم کہہ سکتے
ہیں کہ اس کا یہ فعل اسلامی ہے لیکن ہم اس کو دینی نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ دینی فعل پر ثمرات
تعبدی مرتب ہوتے ہیں اور اس کے لئے ضروری ہے کہ فاعل مسلمان ہو لیکن
دینیوی کے اعتبار سے جس طرح جزوی طور پر زندگی کے کسی ایک شعبہ میں اسلا
کی تعلیمات پر عمل کرنا اسلامی فعل ہے۔ اسی طرح اگر کوئی ملک خواہ وہ مسلمانوں
ہو یا غیر مسلموں کا۔ یا دونوں کا اپنی حکومت کے لئے جو دستور مرتب کرتا ہے وہ ا
نظام کے ساتھ مطابقت رکھتا ہے اور ملکی و وطنی معاملات۔ اقتصادی و معاشی
غیر قوموں کے ساتھ تعلقات صلح و جنگ کے قوانین وغیرہ ان سب چیزوں میں
اسلامی نظام کی پیروی کرتا ہے تو بے شبہ اس ملک کی حکومت۔ حکومتی امور کی
تک اسلامی حکومت کہلانے کی مستحق ہے، یہ جو کچھ عرض کیا گیا اس سے یہ بات وا
ہو گئی ہوگی کہ محض اسلامی حکومت کا نام سن کر یہ سمجھ لینا کہ یہ حکومت فرقہ وارانہ ہو
صحیح نہیں ہے اگر ایک کمونسٹ یا سوشلسٹ گورنمنٹ کا مفہوم فرقہ وارانہ گورنمنٹ
نہیں ہے تو اسلامی حکومت کہنا بھی فرقہ وارانہ گورنمنٹ کے مرادف نہیں ہو سکتا
ہاں اگر اس حکومت کے آئین میں کسی فرقہ کی حق تلفی ہوئی ہو تو بے شبہ اس پر ا

جا سکتا ہے۔ اسی لئے ہم اس پر بحث کرنا چاہتے ہیں لیکن چونکہ ہمارے مقالہ کا موضوع
دود ہے اس لئے گفتگو صرف غیر مسلموں کے درجہ و مقام تک ہی رہے گی !!!

م پاکستان
نوعیت

چونکہ کسی چیز کی نوعیت کے بدل جانے سے اس چیز کا حکم بھی بدل جاتا ہے اس لئے سب سے پہلے ہمیں قیام پاکستان کی نوعیت معلوم کرنی چاہئے
اہر ہے یہ نوعیت اپنی حیثیت میں بالکل منفرد ہے۔ یعنی بعینہ اس کی کوئی نظیر تاریخ اسلام
ں نہیں ملتی۔ البتہ اس کے مختلف پہلو ہیں جن پر تاریخ کے بعض واقعات سے روشنی
تی ہے اور اسی روشنی میں اس کے لئے احکام کا استنباط کیا جا سکتا ہے۔ پاکستان
ے قیام کی صورت یہ ہے کہ ہندو اور مسلمان دونوں ایک ملک میں رہتے بستے ہیں
س ملک پر ایک اجنبی طاقت کا قبضہ ہے ہندو اور مسلمان دونوں اس طاقت کو ملک
ے نکال باہر کرنے اور اپنے ملک پر قبضہ کرنے کے لئے مشترکہ جدوجہد کرتے ہیں
ب عرصہ تک مشترکہ جدوجہد کرنے کے بعد چند ایسے واقعات پیش آتے ہیں جن کی
عث مسلمان تقسیم کا مطالبہ کرتے ہیں بڑی ردوکد کے بعد آخر ہندو اس تقسیم کو منظور
ر لیتے ہیں اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ملک آزاد ہو کر دو حصوں میں بٹ جاتا ہے ایک حصہ
ں مسلمان اکثریت میں ہیں اور ہندو اقلیت میں اور دوسرے حصہ میں ہندو دوں
کثریت ہے اور مسلمان اقلیت میں ہیں چونکہ ہندوستان کے ہندو پاکستان کے
ندوؤں سے اور پاکستان کے مسلمان ہندوستان کے مسلمانوں سے بے نیاز نہیں
و سکتے تھے اور پھر دونوں ملکوں کی اقلیتوں کو اطمینان دلائے بغیر ملک کی تقسیم عمل
ں نہیں آسکتی تھی اس بنا پر دونوں پارٹیوں میں جو ملک کی تقسیم کا معاملہ کر رہی تھیں
معاہدہ ہوا کہ ہر ملک کی اکثریت اپنی اقلیت کے ساتھ برابر کا معاملہ کرے گی اور اسے
ساوی درجہ کے شہری حقوق دے گی، یہ معاہدہ تقسیم کے وقت کاغذ پر ایک سیاسی
عاہدہ کی حیثیت سے ہوا ہو یا نہ ہوا ہو۔ لیکن کم از کم اخلاقی معاہدہ کی حیثیت سے

ضرور رہولہے اور اس کا ثبوت وہ بیانات و اعلانات ہیں جو اس زمانہ میں دونوں
کے ذمہ دار لیڈروں نے کئے اور دئے تھے۔

پس یہ ظاہر ہے کہ پاکستان کا قیام نہ مسلمانوں کی فوج کشی سے ہوا ہے اور
سے بلکہ ہندوؤں کے ساتھ باہمی سمجھوتہ اور معاہدہ کی رو سے ہوا ہے۔ علاوہ بریں
حقیقت کو بھی پیش نظر رکھنا ضروری ہے کہ قیام پاکستان کے بعد ساڑھے تین کروڑ
ایک ایسے ملک میں رہ جاتے ہیں جہاں اگرچہ اقتدار اعلیٰ ان کے ہاتھ میں نہیں ہے
اس ملک کے گوشہ گوشہ میں ان کی عبادت گاہیں ہیں۔ مدارس ہیں۔ ملی ادارے
اور جابجا ان کے تاریخی و مذہبی آثر بکھرے پڑے ہیں ان دونوں امور کو پیش نظر رکھ
کے بعد اصل مسئلہ کا فیصلہ کرنے کے لئے حسب ذیل تنقیح طلب امور سامنے آتے
اور انھیں کی روشنی میں موضوع گفتگو کا تصفیہ کیا جا سکتا ہے۔

(۱) مسلمان غیر مسلموں سے معاہدہ کس حد تک کر سکتے ہیں۔

(۲) معاہدہ کی ذمہ داریاں کیا ہیں؟

(۳) ہندوستان میں مسلمانوں کی دستوری اور آئینی پوزیشن کیا ہے۔

(۴) اس پوزیشن کے پیش نظر پاکستان کا اپنی اقلیت کے ساتھ کیا معاملہ ہو

اب ہم ان امور تنقیح طلب میں سے ہر ایک پر نمبروار گفتگو کرتے ہیں۔

مسلمان غیر مسلموں سے معاہدہ کس حد تک کر سکتے ہیں!

یوں تو تاریخ اسلام میں ہر قسم کے معاہدے ملتے ہیں یہاں تک
ہارون رشید نے شارلمان کے ساتھ اسپین کی اموی حکومت
کرنے کے ارادہ سے دوستانہ عہدنامہ کیا تھا۔ لیکن عہد نبوت
دو معاہدے ہیں جو اسی قسم کے مسائل کے لئے ایک بنیادی دلیل کی حیثیت رکھ
صلح حدیبیہ کے موقع پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قریشِ مکہ سے جو معاہدہ کیا
اس درجہ مشہور ہے کہ اس کی تفصیل کی ضرورت نہیں البتہ یہ یاد رکھنے کے قابل

کہ اس معاہدہ میں بہ ظاہر مسلمانوں کا پلہ قریش مکہ کے مقابلہ میں کچھ بھاری نہیں تھا . . . . چنانچہ قریش کے نمائندہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے نام مبارک کے ساتھ "رسول اللہ" لکھنے پر اعتراض کیا تو باوجود بعض صحابہ کے احتجاج کے آپ نے اس کو خود اپنے دست مبارک سے مٹا دیا اسی طرح معاہدہ میں ایک دفعہ تھی کہ مکہ کا کوئی شخص مسلمانوں سے آملے گا تو اس کو مکہ واپس کرنا ضروری ہوگا۔ لیکن اس کے برخلاف اگر کوئی ادھر کا آدمی مکہ پہنچ جائے گا تو قریش پر اس کا واپس کرنا لازمی نہیں ہوگا۔ حضرت عمرؓ نے اس پر آپ سے تند لہجہ میں احتجاج کیا جس کی ندامت ان کو مدت تک رہی لیکن اس کے باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دفعہ کو بھی منظور فرمالیا بہر حال صلح حدیبیہ کا واقعہ اس بات کا روشن ثبوت ہے کہ اگر کسی وجہ سے غیر مسلموں کے ساتھ معاہدہ ناگزیر ہو جائے اور اس میں مسلمانوں کا پہلو مادی اور فوری نفع کے اعتبار سے کچھ دبا ہوا بھی نظر آتے تو مسلمانوں کو اللہ کی مدد کے بھروسہ پر یہ معاہدہ ضرور کر لینا چاہئیے خدا نے چاہا تو یہی معاہدہ ان کی آخری جیت کا سبب ہوگا۔

صلح حدیبیہ کے واقعہ کے علاوہ ایک اور معاہدہ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ پہنچنے کے بعد وہاں کے مختلف یہودیوں سے کیا تھا پاکستان کی اقلیت کے شہری حقوق پر اس معاہدہ سے خاص طور پر روشنی پڑتی ہے سیرت ابن ہشام اور کتاب المغازی وغیرہما میں اس کا مفصل تذکرہ ہے ہمارے موضوع بحث سے اس معاہدہ کا صرف یہ حصہ متعلق ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بقول ڈاکٹر محمد حمید اللہ (عہد نبوی میں نظام حکمرانی) یہودیوں کے ساتھ مل کر ایک سیاسی وحدت بنائی تھی چنانچہ اس عہد نامہ کی پچیسویں دفعہ کا مضمون ہی یہ تھا کہ "بنو عوف کے یہودی مومنوں کے ساتھ ایک امت (ایک قوم یا ایک سیاسی وحدت) تسلیم کئے

جاتے ہیں۔ یہودیوں کو ان کا دین اور مسلمانوں کو ان کا دین موالی ہوں کہ اصل ہاں جو ظلم یا عہد شکنی کرے گا تو اس کی ذات یا گھرانے کے سوا کوئی مصیبت میں نہیں پڑیگا پھر دفعہ ۳۷ الف میں ارشاد ہوا تھا کہ "جو کوئی اس دستور والوں سے جنگ کرے تو ان یہودیوں اور مسلمانوں میں باہم امداد عمل میں آئے گی اور ان میں باہم حسن مشورہ اور بہی خواہی ہوگی اور وفا شعاری ہوگی نہ کہ عہد شکنی۔

پروفیسر ہارون خاں شیروانی سابق صدر شعبہ تاریخ و سیاسیات عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد دکن اس معاہدہ کی نسبت بجا طور پر فرماتے ہیں کہ "آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ پہنچ کر بڑی دوراندیشی اور سیاسی بصیرت اس طرح دکھائی کہ آپ نے یہودیوں کے لئے ایک دستور مرتب فرمایا جس میں یہ اعلان کیا گیا تھا کہ یہودی بھی نئی اسٹیٹ کے ایسے ہی شہری ہیں جیسے کہ خود مسلمان اور یثرب کے لوگوں کی دونوں شاخیں مل کر ایک قوم ہیں[1]"۔

معاہدہ کی ذمہ داریاں اسلام کا اصل مقصد ہی تزکیۂ نفس و تصفیۂ باطن ہے اس بنا پر منافقت اور دل و زبان کی مخالفت سے بڑھ کر اس کے نزدیک کوئی اور گناہ نہیں ہے قرآن مجید میں ہے كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللهِ أَنْ تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ اسی لئے معاہدہ پر قائم رہنے اور عہد و پیمان پر سختی سے عمل کرنے کی تاکید جتنی اسلام میں ہے کہیں اور نہیں ملیگی۔ اسلام کے نزدیک شرک سے زیادہ قبیح اور کیا چیز ہوگی لیکن اس کے باوجود حکم ہے کہ مشرکوں سے بھی اگر کوئی معاہدہ کر لیا گیا ہے تو جب تک وہ خود نہ توڑیں تم ہرگز نہ توڑو۔ سورۃ التوبۃ میں ہے

إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدْتُمْ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوكُمْ شَيْئًا وَلَمْ يُظَاهِرُوا عَلَيْكُمْ أَحَدًا فَأَتِمُّوا إِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ إِلَى مُدَّتِهِمْ إِنَّ اللهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ

اسی سورۃ میں دوسری جگہ ہے فَمَا اسْتَقَامُوا لَكُمْ فَاسْتَقِيمُوا لَهُمْ

[1] Muslim Political thought and administration P.2

معاہدہ کی پابندی کا حکم اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتا ہے کہ غیر مسلموں کے ساتھ جو معاہدہ کیا گیا ہے مسلمانوں کی امداد سے اگر اس کا نقض لازم آتا ہو تو حکم ہے کہ معاہدہ کی پابندی کرو اور مسلمانوں کی مدد نہ کرو۔ چنانچہ سورۂ انفال میں ہے

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا مَالَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ	جو لوگ ایمان لائے ہیں اور ہجرت نہیں کی تم کو ان کی کوئی ولایت (نگرانی) نہیں پہنچتی جب تک کہ وہ ہجرت کریں اور اگر یہ لوگ دین کے معاملہ میں تم سے مدد مانگیں تو ان کی مدد تم پر لازم ہے لیکن ہاں ان لوگوں کے برخلاف نہیں جن کے ساتھ کہ تمہارا کوئی معاہدہ ہے۔

غور کرو یہ آیت ہندوستان کے مسلمانوں پر جنہوں نے ہجرت نہیں کی ہے اور پاکستان کی اقلیت جن کے ساتھ وہاں کی گورنمنٹ کا عہد ہے کس طرح منطبق ہو رہی ہے۔

چند فقہی جزئیات قرآن مجید کی انھیں آیات اور بعض احادیث کو بنیاد بنا کر فقہا نے جزئیات مستنبط کئے ہیں ہم ذیل میں ان میں سے چند بیان کرتے ہیں۔ علامہ سرخسی لکھتے ہیں کہ اگر کوئی مسلمان کسی غیر مسلم ملک میں وہاں کی حکومت کی اجازت سے چلا گیا ہے اور اس نے وہاں کسی کا مال غصب کر لیا ہے یا کوئی نقصان پہنچا دیا ہے تو اگر اس کے بعد وہ مسلم حکومت میں پھر واپس آ جائے اور جن لوگوں کا مال غصب کیا تھا وہ مسلم حکومت میں آ کر اس مسلمان کے خلاف استغاثہ کریں تو مسلمان عدالت اس استغاثہ کو نہیں سنیگی۔ کیونکہ یہ واقعہ مسلم حکومت کے حدود کے باہر پیش آیا تھا چنانچہ اسی بنا پر اگر معاملہ برعکس ہو یعنی جو مسلمان غیر مسلم ملک میں چلا گیا تھا اس کے مال یا جائداد کو وہاں کے لوگوں نے کوئی نقصان پہنچا دیا ہے اور یہ شخص اپنے ملک میں واپس آ کر ان غیر مسلموں کے خلاف کوئی استغاثہ کرے تو مسلم عدالت اس استغاثہ کو بھی نہیں سنے گی۔ البتہ ہاں جہاں تک

غیر مسلم حکومت میں رہ کر مسلمان کے کسی غیر مسلم کے مال کو غصب کرنے کا تعلق ہے تو چونکہ اس نے غیر مسلم حکومت کے ساتھ معاہدہ کی خلاف ورزی کی ہے اس لئے اس پر دباؤ ضرور ڈالا جائے گا کہ وہ مال اس کے مالک کو واپس کر دے اور کوئی مسلمان اس کو نہ خریدے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو کوئی شخص معاہدہ کی خلاف ورزی کرے گا قیامت کے دن اس کے سر پر ایک جھنڈا لہرایا جائے گا تاکہ دیکھنے والوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ یہ شخص دھوکہ باز تھا۔[۱]

اگر ایک مسلمان کسی غیر مسلم ملک میں وہاں کی حکومت سے اجازت لے کر چلا گیا ہے تو اسے جن شرائط پر یہ اجازت ملی ہے اس کا اسلامی فرض ہے کہ وہ ایمانداری اور سچائی کے ساتھ ان شرائط کو پورا کرے یہاں تک کہ اگر اس درمیان میں اسلامی ملک اور اس غیر مسلم حکومت میں جنگ چھڑ جائے تو اس مسلمان کا فرض ہے کہ غیر مسلم حکومت میں رہتے ہوئے اپنی اسلامی حکومت کی حمایت میں کوئی حرکت غیر مسلم حکومت کے خلاف ہرگز نہ کرے ورنہ معاہدہ کی خلاف ورزی کے جرم کا مرتکب ہوگا۔[۲]

اسی سلسلہ میں علامہ سرخسی لکھتے ہیں کہ اگر دونوں ملکوں کی جنگ کی صورت میں اسلامی ملک کی عورتیں اور بچے خواہ وہ مسلم ہوں یا غیر مسلم (ذمی) گرفتار ہو کر غیر مسلم ملک میں جہاں وہ مقیم ہے لائے جا رہے ہوں اور وہ محسوس کرے کہ وہ ان عورتوں اور بچوں کی مدد کر سکتا ہے تو اس کو چاہیئے کہ غیر مسلم حکومت نے اس کو جو امن دے رکھا ہے پہلے وہ اس سے دستبردار ہونے کا اعلان کر دے اور پھر ان عورتوں اور بچوں کی مدد کرے، اس جزیہ میں دو باتیں خاص طور پر یاد رکھنے کے قابل ہیں۔

(۱) جب تک وہ غیر مسلم حکومت کے دیتے ہوئے امن کو رد کر دینے کا اعلان

---

[۱] مبسوط ج ۱۰ ص ۹۵ [۲] ایضاً ص ۹۸

نہیں کرے گا خود اپنے ملک کی عورتوں اور بچوں کی مدد بھی نہیں کر سکتا۔ ورنہ عہد شکنی کے جرم کا مرتکب ہوگا۔

(۲) ان عورتوں اور بچوں میں مسلمان اور غیر مسلمان کا کوئی فرق نہیں ہے دونوں کو جو اسلامی ملک کے باشندہ ہوں جہاں کا وہ خود بھی شہری ہے، ایک ہی حکم دیا گیا ہے

عدل گستری بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ جذبات کی اشتعال پذیری کے عالم میں انسان کو اپنے قول و قرار کا دھیان نہیں رہتا اور وہ ایسا کام کر بیٹھتا ہے جو اسے اپنے عہد و پیمان کے مطابق نہ کرنا چاہیے تھا۔ قرآن مجید میں اس پر بھی نہایت سختی سے متنبہ کیا گیا ہے ارشاد ہے۔

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَنْ	خبردار کسی قوم کا بغض تم کو اس پر آمادہ نہ کردے
لَا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ	کہ تم انصاف نہ کرو نہیں بلکہ تم انصاف ہی کرو
لِلتَّقْوٰى	یہی تمہارے لئے پاکی کا سب سے قریبی راستہ ہے

اسلام نے عدل کی اہمیت و عظمت مسلمانوں کے دل و دماغ پر کس درجہ حاوی کردی تھی اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ سیاست نامہ کا مصنف لکھتا ہے "حکومت کفر کے ساتھ رہ سکتی ہے لیکن ظلم اور ناانصافی کے ساتھ قائم نہیں رہ سکتی"[1] مسلمان حکمرانوں نے عدل کی جو نادرۂ روزگار مثالیں قائم کی ہیں تاریخ کے صفحات ان سے بھرے پڑے ہیں خود ہندوستان میں دہلی سلطنت کے بعض واقعات ایسے ہیں جن پر آج یقین کرنا بھی مشکل ہے سلطان محمد بن تغلق کو کون نہیں جانتا کس قدر تند مزاج اور درشت طبع بادشاہ تھا لیکن اسلام نے جو ایک خاص ماحول پیدا کر دیا تھا اس کا اثر یہ تھا کہ ابن بطوطہ قیام دہلی کے زمانہ کا خود اپنا چشم دید واقعہ بیان کرتا ہے کہ ایک مرتبہ کسی ہندو نے قاضی کی عدالت میں فریاد کی کہ بادشاہ نے اس کے لڑکے کو بلا وجہ دخطا مارا ہے قاضی نے عدالت میں بادشاہ کو مدعی علیہ کی حیثیت سے طلب کیا۔ محمد بن تغلق

---

[1] ص ۸

عدالت میں آیا تو قاضی کو تاکید کی کہ وہ اس کے احترام کے لئے کھڑا نہ ہو۔ مقدمہ شروع ہوا اور قاضی نے دونوں طرف کے بیانات وغیرہ سننے کے بعد فیصلہ بادشاہ کے خلاف کیا۔ اس پر بادشاہ نے کوڑا خود ہندو لڑکے کے ہاتھ میں دیا اور باصرار کہا کہ جس طرح میں نے تجھ کو مارا ہے تو بھی اسی طرح مار۔ یہ واقعہ ضیاء الدین برنی نے بھی بیان کیا ہے اور دوسرے مورخوں نے بھی اسے نقل کیا ہے لیکن ابن بطوطہ نے اسی طرح کے اور بھی متعدد واقعات محمد بن تغلق کے متعلق بیان کیے ہیں۔

ایک مرتبہ کسی شخص نے عدالت میں دعویٰ کیا کہ سلطان میرا مقروض ہے تو نتیجہ یہ ہوا کہ سلطان خود قاضی کے سامنے مدعیٰ علیہ کی حیثیت سے پیش ہوا اور عدالت کے فیصلہ کے مطابق اس نے قرض ادا کیا۔

غیاث الدین بلبن کو ایک گورنر کی نسبت معلوم ہوا کہ اس نے کسی شخص کو نشہ کے عالم میں قتل کر دیا ہے تو اس نے گورنر کو سخت ترین سزا دی۔ سلاطین دہلی نے "حسبہ" کے نام سے ایک مستقل محکمہ قایم کر رکھا تھا۔ اس محکمہ کا افسر محتسب کہلاتا تھا اور اس کا فرض عصامی کے بقول یہ تھا کہ وہ ملک میں کسی قسم کی اخلاقی بے عنوانی نہ ہونے دے اور کوئی طاقتور کسی کمزور پر دست درازی نہ کر سکے۔

ہندوستان میں مسلمانوں کی آئینی پوزیشن

اب آئیے یہ دیکھیں کہ بھارت میں مسلمانوں کی آئینی پوزیشن کیا ہے ؟ اور اس کے پیش نظر از روئے تعلیمات اسلام پاکستان میں وہاں کی اقلیتوں کی حیثیت (Status) کیا ہونی چاہیئے ظاہر ہے کہ بھارت کے دستور نے یہاں کی حکومت کو غیر مذہبی اور غیر فرقہ وارانہ قرار دیا ہے۔ جس میں مسلمانوں کو بھی بھارت کا ایسا ہی نیشنل مانا گیا ہے جیسا کہ خود ہندوؤں اور شہری حقوق اور شہری آزادی کے لحاظ سے ان میں اور ہندوؤں میں کوئی فرق نہیں رکھا گیا ہے ہر محکمہ اور ہر منصب کے دروازے ہندو اور مسلمان دونوں پر یکساں کھلے رکھے گئے ہیں اور پورے طور پر نہ سہی جو بعض ناگزیر اسباب کا نتیجہ ہے کسی نہ

سی شکل میں اس کا عملی ثبوت موجود بھی ہے۔ پس جہاں تک دستور ہند گورنمنٹ کی پالیسی ور ذمہ دارانِ حکومت کے اعلانات کا تعلق ہے تو اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ اس ملک یں مسلمانوں کی شہری اور قومی حیثیت کو تسلیم کر لیا گیا ہے اور ان کو اکثریت کے برابر حقوق یئے گئے ہیں۔ ساتھ ہی یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ فقہا نے لکھا ہے جس ملک میں ایسی صورت عال ہو یعنی اس میں مسلمان اقلیت میں ہونے کے باوجود اپنے معاملات میں آزاد ہوں اور کومت میں کسی نہ کسی حد تک مسلمانوں کا بھی دخل ہو وہ ملک مسلمانوں کے لئے دارالاسلام ہی کہلائے گا۔ چنانچہ درمختار میں ہے۔

ودار الحرب تصير دار الاسلام باجراء احکام الاسلام فیها کجمعة وعید	اور غیر مسلموں کا ملک جمعہ اور عید ایسے احکام کے جاری ہو جانے سے دارالاسلام ہو جاتا ہے۔

اس کے بعد اس مسئلہ کی مزید وضاحت اس طرح کی گئی ہے۔

و بهذا ظهر بجبل الدروز و بعض البلاد التابعة له کلها دار اسلام لانها وان کانت لها احکام دروز او نصاری ولهم قضاة على دینهم و بعضهم یعلنون بشتم الاسلام والمسلمین لکنهم تحت حکم ولاة امورنا[1]	اور جبل دروز (شام) اور اس کے بعض متعلقہ شہروں میں ایسا ہوا بھی ہے۔ یہ تمام شہر دارالاسلام ہیں۔ کیونکہ یہاں اگرچہ دروز یا عیسائیوں کے احکام چلتے ہیں اور انھیں کے ہم مذہب جج بھی ہیں جن میں سے بعض بعض اسلام اور مسلمانوں کو کھلے بندوں سب و شتم بھی کرتے ہیں لیکن یہ لوگ ہمارے حکام کے نیچے ہیں (یعنی یہاں مسلمان حاکم بھی ہیں جن کے ماتحت یہ لوگ بھی ہیں)

احسان کا بدلہ احسان | پس جب کسی غیر مسلم ملک میں مسلمانوں کی آئینی پوزیشن یہ ہو تو اب

[1] الدر المختار ج ۳ ص ۳۵۰

اس کے ہمسایہ اسلامی ملک کا دینی اور مذہبی فرض ہے کہ بحکم ھل جزاء الاحسان الا الاحسان اپنے ہاں کے غیر مسلموں کو بھی یہی مرتبہ اور مقام دے۔ فقہ کی کتابوں میں عام طور پر یہ حکم پایا جاتا ہے کہ اگر دار الحرب کی حکومت مسلمانوں کے ساتھ کوئی مراعات کر رہی ہے تو اسلامی حکومت کو چاہیئے کہ اس کے جواب میں وہ بھی دار الحرب کے رہنے والے غیر مسلموں کے ساتھ اس جیسا بلکہ اس سے بھی اچھا معاملہ کرے۔ چنانچہ شرح وقایہ میں ہے:۔

وان علم قدر ما اخذ منا اھل الحرب فعاشرنا یاخذ من الحربی مثل ذالک	غیر مسلم حکومت مسلمانوں سے جو کسٹم ڈیوٹی وصول کرتی ہے اگر اس کی مقدار ہم کو معلوم ہو تو ہماری اسلامی حکومت کا کسٹم آفیسر بھی غیر مسلم سے اتنی ہی کسٹم ڈیوٹی لے گا۔

اس سلسلہ میں یہ بات خاص طور پر یاد رکھنے کے قابل ہے کہ مندرجۂ بالا حکم صرف اس وقت ہے جبکہ غیر مسلم کا مال تجارت بقدر نصاب ہو اور غیر مسلم حکومت مسلمان سوداگر سے اس کے مال کا کچھ حصہ بطور کسٹم ڈیوٹی کے وصول کرتی ہو۔ ورنہ اگر غیر مسلم حکومت مسلمان تاجر کا پورا مال ہی قبضہ میں کر لیتی ہو یا غیر مسلم کا مال بقدر نصاب نہ ہو تو ان دونوں صورتوں میں اسلامی حکومت غیر مسلم حکومت کی پیروی نہ کرے گی بلکہ اس کے جبر و تشدد اور ظلم کے باوجود وہی کرے گی جو اسے از روئے انصاف کرنا چاہیئے، شرح وقایہ میں مذکورہ بالا عبارت کے بعد ہی ہے۔

لو اخذوا کل اموالنا فعاشرنا لا یاخذ کل اموال الحربی الماس ولا من قلیلہ وان اقر بباقی النصاب فی بیتہ	اگر غیر مسلم حکومت کے عمال مسلمانوں کے کل مال پر قبضہ کر لیتے ہوں تو ہمارا کسٹم آفیسر غیر مسلم مسافر کے کل مال پر قبضہ نہیں کرے گا اسی طرح اگر اس مسافر کا مال نصاب سے کم ہو تو اس وقت بھی وہ کسٹم ڈیوٹی نہیں لے گا اگرچہ یہ شخص ڈیوٹی دینے پر

شرح ا باب العاشر

مصر ہو اور کہتا ہو کہ اس کے گھر میں مال بقدر نصاب موجود ہے۔

صاحب درمختار نے اس کی جو توجیہ کی ہے ذرا وہ بھی سن لیجئے فرماتے ہیں۔

لانہ ظلم ولا متابعۃ علیہ[1]

غیر مسلم حکومت میں مسلمان سوداگر کے پورے مال کے ہتیائے جانے کے باوجود اسلامی حکومت میں غیر مسلم مسافر کے پورے مال پر بطور جوابی کارروائی کے قبضہ نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ ایسا کرنا ظلم ہے اور پیروی ظلم میں نہیں ہوتی ہے

اس کے برعکس اگر غیر مسلم حکومت میں مسلمان تاجر سے ڈیوٹی بالکل نہ لی جاتی ہو تو اسلامی حکومت اس کے جواب میں غیر مسلم سوداگر سے بھی کچھ نہ لے گی خواہ اس کا مال کتنا ہی زیادہ ہو۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ صاحب درمختار لکھتے ہیں۔

لیستمروا علیہ ولانا احق بالمکارم[1]

ہم ایسا اس لئے کریں گے تاکہ غیر مسلم حکومت مسلمان تاجروں کے ساتھ اس اچھے معاملہ کو جاری رکھے اور پھر عمدہ اخلاق تو ہم کو بدرجہ اولیٰ دکھانے چاہئیں

جو لوگ بات بات میں انتقام انتقام کا نعرہ لگانے کے خوگر ہیں انھیں دل کی آنکھ کھول کر ان تعلیمات کا مطالعہ کرنا چاہیئے کہ اسلام کس طرح ہر حالت میں عدل وانصاف کے بلند مقام سے نیچے نہیں اترتا۔

سطور بالا میں جو کچھ آپ نے پڑھا ہے اس کی روشنی میں اب یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ

(۱) پاکستان کا قیام چونکہ ہندو مسلم سمجھوتہ سے ہوا ہے اور اس مفاہمت کے ساتھ ہوا ہے کہ پاکستان کی اقلیت کو وہاں کے مسلمانوں کے برابر شہری حقوق ملیں گے۔

---

[1] درمختار ج ۲ ص ۵۶

اس بنا پر اسلامی حکومت ہونے کا ہی تقاضا یہ ہے کہ ان لوگوں کو مساوی درجہ کے شہری حقوق دے جائیں اور اس بارہ میں مسلم و غیر مسلم کا کوئی فرق و امتیاز نہ برتا جاتے۔

(۲) اگر قیام پاکستان اس سمجھوتہ کے ساتھ نہ بھی ہوتا تب بھی چونکہ ہندوستان میں مسلمانوں کو برابر کے شہری حقوق حاصل ہیں اس بنا پر پاکستان گورنمنٹ کا یہ اسلامی فرض تھا کہ وہ بھارت کے مسلمانوں کی خاطر اپنے ہاں کی غیر مسلم اقلیت کو یہ حقوق و مراعات دیتے۔

دہلی سلطنت میں غیر مسلموں کے ساتھ مساویانہ برتاؤ

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے پاکستان کا قیام تو باہمی سمجھوتہ اور آپس کے معاہدہ کے ساتھ ہوا ہے یہ فراموش نہ کرنا چاہئے کہ مسلمانوں نے جس ملک کو بزورِ شمشیر فتح کیا تھا انھوں نے اس میں بھی غیر مسلموں کے ساتھ مساویانہ برتاؤ کیا ہے۔ پوری تاریخ کو چھوڑ دیجئے اور ہندوستان کی اسلامی تاریخ میں سے بھی عہد مغلیہ پر صرف نظر کر لیجئے کہ مغلوں کا جو معاملہ رہا ہے سوائے اورنگ زیب رحمۃ اللہ علیہ کے اور کسی بادشاہ سے ہندوؤں کو بھی شکایت نہیں رہی۔ صرف دہلی سلطنت کو لیجئے اس سلطنت کا معاملہ یہاں کے ہندوؤں کے ساتھ یہ تھا کہ معز الدین کیقباد نے حکومت کے طلائی سکہ تک پر ہندو دیوی کی تصویر نقش کرا رکھی تھی برہمنوں اور مندروں کے پجاریوں کی بڑی عزت کی جاتی تھی اور ان کو ٹیکس سے آزاد رکھا گیا تھا ہندوؤں کی غیر انسانی رسم یعنی ستی تک کو ایک مذہبی رسم ہونے کی وجہ سے باقی رہنے دیا گیا تھا مذہبی آزادی کا یہ عالم تھا کہ فیروز خلجی خود اس کا اقرار کرتا ہے کہ "ہر روز ہندو میرے محل کے نیچے سے سنکھ اور گھنٹی بجاتے ہوئے گذرتے ہیں تاکہ جمنا کے کنارہ پر پہنچ کر اپنے بتوں کی پوجا کریں۔ میں اسلام کا محافظ ہوں لیکن اس کے باوصف یہ لوگ ڈھول پیٹتے ہیں۔ گاتے بجاتے ہیں مذہبی رسوم ادا کرتے ہیں اور خود میرے دارالسلطنت میں مسلمانوں کے مقابلہ میں زیادہ شان و شوکت اور طمطراق سے رہتے ہیں ان کو مکمل آزادی ملی ہوئی ہے۔ دہلی کے پرانے قلعے سے ایک کتبہ جو فارسی اور

لہ ضیاء الدین برنی ص۲۱۷ لہ The Foundation of Muslim Rule India P. 300

سنسکرت میں لکھا ہوا ہے دستیاب ہوا تھا اس سے ثابت ہوتا تھا کہ بارہ بیگہ زمین حکومت کی طرف سے ایک مندر کے لئے عطا کی گئی تھی جو سری کرشن کے نام پر نیا نیا تعمیر ہوا تھا [1]
اس سلطنت میں ہندوؤں کی معاشی اور اقتصادی خوشحالی کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ برنی کو شکایت ہے کہ خاص دہلی شہر میں ہندو بڑے بڑے شاندار محلات میں رہتے ہیں، اعلیٰ قسم کے کپڑے پہنتے ہیں۔ گھوڑوں پر سوار ہو کر طمطراق سے نکلتے ہیں۔ یہاں تک کہ ان کے مسلمان نوکر ان کے گھوڑوں کے آگے دوڑے دوڑے چلتے ہیں۔ ان ہندوؤں کو جب مسلمان خطاب کرتے ہیں تو رائے۔ رانا۔ ٹھاکر۔ شاہ۔ مہتا۔ اور پنڈت وغیرہ ایسے باعزت القاب و آداب سے مخاطب کرتے ہیں۔

آخری گذارش | آخر میں یہ گذارش اور کرنی ہے کہ ہمارے بعض ہندو دوست کہتے ہیں کہ پاکستان گورنمنٹ جب تک اسلامی حکومت رہے گی اور سیکولر گورنمنٹ نہیں بنے گی وہاں کی اقلیت میں خود اعتمادی پیدا نہیں ہو سکتی، غرض یہ ہے کہ اسلامی حکومت کا جب تک عنوان قایم رہے گا وہاں کی گورنمنٹ اور عوام پر خدا کا خوف اور مذہب کا پاس غالب رہے گا اور اس بنا پر وہ اقلیت کے ساتھ مساویانہ برتاؤ اپنا مذہبی فرض سمجھ کر کریں گے اس کے برخلاف سیکولر گورنمنٹ ہونے کی شکل میں جب تک عوام انتہائی شائستہ نہ ہوں خاطر خواہ نتائج کی امید نہیں ہو سکتی۔

---

[1] مزید تفصیلات کے لئے ملاحظہ کیجئے۔
The Foundation of Muslim Rule in India. P. 298. 99.300